میاں عزیز احمد صاحب مرحوم سے متعلق اپنوں کے خیالات اور معاندین کے اعتراضات

(فرمودہ یکم جولائی ۱۹۳۸ء)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

''مَیں نے پچھلے جمعہ میں پشاور سے آئے ہوئے دو اعتراض بیان کئے تھے اور اسی طرح دو اعتراض بیان کئے تھے جو مجھے احرار کے خطبات یا ان کی گفتگوؤں سے اخذ کر کے دوستوں نے پہنچائے تھے۔ ان کے جوابوں کے سمجھانے سے پہلے میں نے چند اصول بیان کئے تھے کہ ان اصول کا سمجھ لینا ان جوابوں کے سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ گزشتہ جمعہ میں وقت کی کمی کی وجہ سے میں نے صرف اصول بیان کرنے پر اکتفا کی تھی اصلی اور تفصیلی جواب بعد کے لئے چھوڑ دیئے تھے۔ آج میں ان اعتراضات کو ان کے تفصیلی جواب کے لئے لیتا ہوں۔

پہلا اعتراض یہ ہے کہ قادیان کے لوگ بے غیرت ہیں۔ جب ان کے ماں باپ کو کوئی گالی دے تو جوش میں آجاتے ہیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خاندان کو اگر گالیاں دی جائیں تو صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ اور یہ کہ ہم ثابت کر سکتے ہیں کہ قادیان میں اسّی فیصدی لوگ ایسے ہیں حالانکہ گالی دینے والے کا علاج سوائے سختی کے کچھ نہیں۔

اس سوال کے دو حصے ہیں ۔ پہلا حصہ یہ ہے کہ قادیان کے لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے اہل کے متعلق گالیاں برداشت کر لیتے ہیں یہ بے غیرتی ہے اور جواب کے لئے پہلے میں اسی حصہ کو لیتا ہوں ۔

بے غیرتی اور اس کے مقابل کا لفظ غیرت جو ہے اس کا مأخذ عربی زبان ہے ۔ بے غیرتی کی ترکیب ہم نے فارسی طرز پر بنالی ہے ۔مگر دراصل یہ عربی لفظ ہی ہے اور اس کے معنے وہی ہیں ۔یعنی عدمِ غیرت یا فقدانِ غیرت ۔ یا قلتِ غیرت ۔غیرت کا نہ پایا جانا یا جاتے رہنا یا کم ہونا اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ غیرت عربی زبان کا لفظ ہے اور ہماری زبان میں اس کا غلط استعمال ہونے لگا ہے۔عربی میں اس کے وہ معنی نہیں جن معنوں میں ہم اسے استعمال کرتے ہیں۔

عربی میں غیرت کے معنی یہ ہیں کہ کسی اپنی چیز کا جائز یا ناجائز طور پر دوسرے کے قبضہ یا استعمال میں آنا اور اس استعمال کی برداشت نہ کر سکنا،لیکن ہم لوگ جب بے غیرتی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو بعض ناجائز افعال کے لئے کرتے ہیں ۔ بے شک ان معنوں کی رو سے بھی کرتے ہیں جو عربی میں ہیں لیکن زیادہ تر یہی معنی لئے جاتے ہیں کہ کوئی ناجائز فعل ہو رہا ہو اور اس پر اظہارِ نفرت یا غضب نہ کیا جائے اور جب ایسے فعل پر اظہارِ نفرت یا غضب کیا جائے تو اسے غیرت کہتے ہیں۔بعض دفعہ لفظوں کے غلط استعمال سے بھی حقیقت پوشیدہ ہو جاتی ہے۔ہم ایک غلط لفظ بولتے ہیں اور ہماری مراد اور مطلوب نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے لیکن اگر صحیح لفظ بولیں تو اصل مقصد سامنے رہتا ہے اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اپنے مقصد اور مطلب کو صحیح طور پر ادا کر رہے ہیں یا غلط ۔ اور اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ لفظ غیرت کی وضاحت کر دوں اور بتا دوں کہ عربی میں غیرت سے کیا مراد ہوتی ہے اور جن معنوں میں ہم اس کا استعمال کرتے ہیں، ان کے لئے صحیح لفظ کیا ہے۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں عربی میں غیرت کے معنی یہ ہیں کہ اپنی کوئی محبوب چیز جائز یا ناجائز طور پر کسی دوسرے کے پاس چلی جائے اور اس کے خلاف دل میں غصہ،نفرت اور بے چینی پیدا ہو۔ عام استعمال اس کا یہ ہے کہ مثلاً کہیں گے مرد کو اپنی بیوی کے لئے غیرت پیدا ہوئی ۔ یا بیوی کو اپنے خاوند کے لئے غیرت پیدا ہوئی ۔اور جب ہم یہ کہتے ہیں

کہ مرد کو اپنی بیوی کے لئے غیرت پیدا ہوئی تو بیوی کے لفظ سے مراد اس کی موجودہ بیوی اور سابقہ بیوی دونوں ہوسکتی ہیں اور اس طرح یہ غیرت جائز بھی ہوسکتی ہے اور ناجائز بھی۔ اگر تو اس کی بیوی ناجائز طور پر کسی غیر مرد کے پاس بیٹھی ہو تو یہ غیرت ایک ناجائز فعل کے لئے ہے لیکن اگر وہ بیوی مطلقہ ہو اور اس نے دوسرے سے شادی کر لی ہو اور سابق خاوند کو اس پر طیش آیا ہو تو اس صورت میں یہ غیرت ایک جائز فعل کے خلاف ہوگی۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ عورت کو خاوند پر غیرت پیدا ہوئی۔ یہ بھی بعض دفعہ جائز فعل پر ہوتی ہے اور بعض دفعہ ناجائز پر۔ اگر تو بدی کی سی نیت سے کسی غیر عورت کے پاس بیٹھا ہو تو یہ غیرت ناجائز فعل کے لئے ہوگی لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کی دو بیویاں ہیں اور جب وہ اپنی ایک بیوی کے پاس بیٹھا ہو، دوسری پر یہ گراں گزرے یہ بھی غیرت کہلاتی ہے مگر یہ غیرت جائز فعل کے خلاف ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔

لیکن حدیثوں میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ناجائز محبت پر اظہارِ ناپسندیدگی کے معنوں میں اللہ تعالیٰ کے لئے بھی آتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے سب سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اس امر میں کہ وہ اس کی محبت کو چھوڑ کر کسی اور سے لَو لگا لیں۔[1] گویا وہ پسند نہیں کرتا کہ اس کے بندے کسی دوسری طرف جائیں۔ چاہے وہ جانا شرک کے رنگ میں ہو یا فسق و فجور کے رنگ میں۔ اور پھر ایک اور جگہ حدیث میں یہ جائز فعل کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ حضرت اُمِّ سلمہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی خواہش کی تو انہوں نے جواب دیا کہ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! میرے کئی بچے ہیں جن کے پالنے کا مجھے خیال ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ میں غیرت والی ہوں۔[2] اس کے یہ معنے نہیں کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی ناجائز فعل کا انہیں خیال تھا بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ آپؐ کی اور بھی بیویاں ہیں اور میں یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ میرا خاوند کسی اور عورت کے پاس بیٹھے۔ اس حدیث میں یہ لفظ ایسے موقع پر استعمال ہوا ہے کہ ناجائز فعل کا کوئی امکان ہو ہی نہیں سکتا مگر یہ لفظ اردو میں ان معنوں سے بہت کم استعمال ہوتا ہے۔ زیادہ تر انہیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے کہ مثلاً کہتے ہیں تمہارے باپ کو گالیاں دی جا رہی تھیں تمہیں غیرت نہ

آئی ۔لیکن عربی میں گالی پر غصہ ہونے کے معنوں میں غیرت کا لفظ استعمال نہیں ہو گا بلکہ انہیں معنوں میں استعمال ہوتا ہے کہ اپنی چیز کسی دوسرے کے پاس چلی جائے ۔جائز ذریعہ سے یا ناجائز سے اور انسان اسے ناپسند کرے ۔پس جن معنوں میں غیرت کا لفظ ہم استعمال کرتے ہیں کہ بُرے فعل کو دیکھ کر اسے ناپسند کرنا اور فیصلہ کر لینا چاہئے کہ کچھ بھی ہو میں اس کا مقابلہ کروں گا اور یہ برائی نہیں ہونے دوں گا۔عربی میں اس کے لئے غیرت کا لفظ نہیں بولا جاتا۔ قرآن کریم نے اس کے لئے اِبَاءٌ کا لفظ استعمال کیا ہے ۔گویا جن معنوں میں ہم غیرت کا لفظ بولتے ہیں ۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اَبٰی کا لفظ استعمال کیا ہے ۔چنانچہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ[۳۲] [۳] یعنی کفار ہمارے رسول کو مٹانا چاہتے ہیں مگر وہ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم اس بات کو برداشت کر لیں گے ۔ ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ ان کی اس بات کو کبھی برداشت نہیں کرے گا ۔اوران کا یہ خواب کبھی بھی پورا نہیں ہونے دے گا۔خواہ کافر کتنا زور لگائیں ۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ یہاں غیرت کا لفظ استعمال نہیں ہؤا بلکہ اِبَاءٌ کا ہؤا ہے ۔جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ہرگز اس بات کو برداشت نہیں کریں گے اور دشمن کی سازشوں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے ۔حدیثوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر انکار یا کراہت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اور جن امور پر غیرت آئے انہیں منکرات کہا جاتا ہے ۔قرآن کریم میں بھی یہ لفظ استعمال ہؤا ہے ۔خطبہ جمعہ کے دوسرے حصے میں جو آیت پڑھی جاتی ہے اس میں بھی یہ الفاظ آتے ہیں وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ [۴] کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام بری باتوں سے روکتا ہے وَالْمُنْكَرِ کے معنی ہیں کہ ایسے امور سے خصوصاً جن کے متعلق طبیعت میں غیرت پیدا ہو (یہاں غیرت کا لفظ اردو کے محاورہ کے مطابق استعمال کیا گیا ہے) بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق کوئی غیرت پیدا نہیں ہوتی مثلاً ایک شخص جھوٹ بول رہا ہے لیکن اس کے جھوٹ سے کسی کا کوئی تعلق نہیں ہے ۔تو انسان اسے گناہ تو سمجھے گا لیکن طبیعت میں غیرت پیدا نہیں ہوگی ۔مگر ایک شخص بازار میں کھڑا ہو کر گندی گالیاں بک رہا ہے تو جو بھی شریفُ الطبع آدمی سنے گا اس کے دل میں

غیرت پیدا ہوگی کیونکہ وہ خیال کرے گا کہ ہمارے گھر نزدیک ہیں، بیوی بچوں تک اس کی آواز پہنچے گی تو ان کے اخلاق پر بُرا اثر پڑے گا۔ پس اسے مُنکَر کہیں گے گویا وہ الفاظ یا اعمال جن کی نسبت طبیعت میں غیرت پیدا ہوتی ہے، وہ منکر ہیں اور جن کو ہم صرف بُرا سمجھتے ہیں مگر ان سے غیرت کا سوال وابستہ نہیں ہوتا ان کو فحشاء کہتے ہیں۔ اور بغی وہ ہیں جن کو مٹانے کے لئے ہمیں اجازت ہے اور ہر صورت میں ان کا مقابلہ کرنا ہمارے لئے جائز ہے۔

اس کے مقابلہ میں انکار یا کراہت کا لفظ بھی ہے۔ حدیث میں ہے۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَذَالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ [5] یعنی تم میں سے اعلیٰ درجہ کا مؤمن وہ ہے کہ جب وہ کسی بدی کو دیکھے تو فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ اسے اپنے ہاتھوں سے مٹا دے فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ یعنی اگر وہ ایسا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو فَبِلِسَانِہٖ اسے چاہئے کہ وہ زبان سے مٹا دے یعنی تبلیغ کرے اور لوگوں کو بتائے کہ یہ بری بات ہے، اس کو ترک کرنا چاہئے لیکن اگر وہ ایسا بھی نہ کر سکتا ہو۔ کوئی وقت ایسا بھی آ سکتا ہے کہ زبان سے بھی مٹا نہ سکتا ہو۔ ظالم لوگوں کے قبضہ میں ہے یا مثلاً آجکل ہمارے ملک میں پریس ایکٹ ہے۔ بعض باتیں اگر لکھی جائیں تو ضمانت ضبط ہو جاتی ہے۔ یا نئی ضمانت طلب کر لی جاتی ہے تو فرمایا، اگر یہ صورت ہو تو دل میں ہی برا سمجھ لیا جائے اور یہ قلیل ترین ایمان ہے جس کے بعد کوئی ایمان نہیں۔ مقدم بات تو یہ ہے کہ ہاتھ سے دور کر دے، نہیں تو زبان سے مقابلہ کرے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل میں ہی بُرا منائے اور جو یہ بھی نہیں کر سکتا اس کا ایمان کوئی ایمان نہیں۔ قرآن کریم میں یہ تینوں باتیں بیان ہیں۔ مگر چونکہ مختلف جگہوں سے لینی پڑتی تھیں۔ اس لئے میں نے اس حدیث کو لے لیا ہے جس میں یہ سب باتیں ایک ہی جگہ ہیں۔

قرآن کریم میں ایک چوتھا طریق اظہارِ غیرت کا بھی بیان کیا گیا ہے۔ جو زبان سے روکنے اور دل میں بُرا منانے کے درمیان ہے اور وہ یہ کہ جب تمہاری محبوب اور بزرگ ہستیوں کی ہتک کی جارہی ہو تو اس مجلس سے اٹھ جاؤ [6] اور یہ طریق دل میں برا منانے اور زبان سے مٹانے کے درمیان ہے۔ بعض دفعہ ایسی صورت ہو سکتی ہے کہ اٹھا نہ جا سکے۔ مثلاً قیدی ہے

اس وقت پھر یہی حکم ہے کہ دل میں بُرا منا چھوڑے، لیکن اگر وہاں سے اٹھ سکتا ہے تو پھر دل میں بُرا منانا کافی نہیں ہوسکتا۔ اس وقت اسے یہی چاہیئے کہ اٹھ جائے۔ وہ اگر نہیں اٹھے گا تو دل میں بُرا منانا اس کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

پس جیسا کہ میں بتا چکا ہوں جس فعل پر انسان کو غیرت آئے وہ مُنکَر ہے اور اظہارِ غیرت کے لئے اِباء، انکار، کراہت وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ انہی الفاظ میں قرآن کریم اور حدیث میں غیرت کے مفہوم کا اظہار کیا گیا ہے۔ اِباء کا لفظ غیرت کے لئے اور مواقعۂ غیرت کے لئے منکر کا لفظ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور حدیث میں مُنکَر انکار یا کراہت کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور یہ سب لفظ درحقیقت ہم معنی ہیں اور یہی اصل غرض کو واضح کرتے ہیں کیونکہ ہر درجہ کی غیرت کے وقت جو انسان کی ذمہ داری ہے اسے بھی ظاہر کرتے ہیں۔ مثلاً جب عمل کی طاقت ہو تو اس چیز کا ہٹا دینا ہی اِباء وانکار کہلا سکتا ہے اور اگر عمل کی طاقت نہ ہو لیکن منہ سے تردید کرنے کی طاقت ہو تو پھر منہ سے یہ بتانا کہ یہ بات جھوٹ ہے، غلط ہے اور اس کے جھوٹ ہونے کے دلائل یہ یہ ہیں۔ یہی مناسب صورت انکار کی ہے۔ تیسری انکار کی صورت یہ ہے کہ اگر ہاتھ یا زبان سے روکنے کی طاقت نہیں مگر انسان یہ طاقت رکھتا ہے کہ اس مجلس میں شریک نہ ہو تو وہ اس مجلس سے جس میں بری بات ہو رہی ہو اٹھ کر چلا جائے لیکن جب ان تینوں صورتوں میں سے کسی صورت سے انکار نہ ہو سکے، پھر چوتھا انکار یہ ہے کہ انسان اپنے دل میں کہے کہ بہت اچھا ہم نہ ہاتھ سے روک سکتے ہیں، نہ زبان سے تردید کر سکتے ہیں، نہ اٹھ کر جا سکتے ہیں مگر ہمارا دل تو کسی کے قبضہ میں نہیں ہم اسے دل سے برا مناتے ہیں۔ اور یہ چاروں ذرائع انکار کے اس لفظ کے اندر ہی پائے جاتے ہیں۔ انکار علمی بھی ہوتا ہے لسانی بھی۔ انکار اجتنابی بھی اور انکار قلبی بھی۔ قرآن وحدیث میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان میں یہ خوبی بھی ہے کہ وہ نہ صرف نام ہیں بلکہ حقیقت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ زبان عربی کی یہ خوبی ہے کہ جو نام کسی چیز کا ہو وہ نہ صرف یہ کہ اس چیز کو بتاتا ہے بلکہ اس کے استعمال کے مواقع یا اس کی علّت یا اس کے خواص پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔

اس حدیث کے مطابق ہمارے بزگوں نے ایک واقعہ بھی لکھا ہے جس سے معلوم ہوسکتا

ہے کہ مومن کی غیرت کس رنگ میں ظاہر ہوتی ہے۔

ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے۔ وہ بازار میں سے گزر رہے تھے انہوں نے دیکھا بادشاہ کا ایک درباری اپنے دوستوں کی محفل میں بیٹھا ہؤا سارنگی بجا رہا ہے۔ اس بزرگ نے اُسے منع کیا مگر وہ باز نہ آیا اور وہ آگے چلے گئے۔ اگلے روز یہ پھر گزرے تو پھر وہیں بیٹھا سارنگی بجا رہا تھا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے سارنگی پکڑ لی اور توڑ پھوڑ کر پھینک دی۔ اس بزرگ کا چونکہ اثر لوگوں پر تھا اور لوگ ان کی طرف بہت رغبت رکھتے تھے اس درباری نے ان سے مقابلہ مناسب نہ سمجھا مگر جا کر بادشاہ سے شکایت کی اور اسے کہا کہ اگر آپ کے درباریوں کی یوں ہتک ہونے لگی تو رُعب جاتا رہے گا۔ بادشاہ نے اس بزرگ کو دربار میں بلوایا۔ دربار لگا ہؤا تھا، فوجی پہرہ موجود تھا، بادشاہ نے سارنگی اپنے ہاتھ میں لی اور تخت پر بیٹھ کر اُس کی تاروں سے کھیلنے لگا۔ وہ بزرگ بھی خاموش بیٹھے رہے اور کچھ نہ کہا۔ جب بادشاہ نے دیکھا کہ وہ بزرگ خاموش ہیں تو اُس نے پوچھا کہ کل کیا واقعہ ہؤا تھا۔ بزرگ نے دریافت کیا کہ کونسا واقعہ؟ تو بادشاہ نے کہا کہ فلاں شخص سارنگی بجا رہا تھا اور تم نے اُسے لے کر توڑ دیا۔ بزرگ نے کہا کہ ہاں حضور! میں نے توڑ دیا تھا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ کیوں؟ تو اس بزرگ نے جواب دیا اس لئے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم کسی بدی کو اُسے دیکھو تو ہاتھ سے مٹا دو۔ اِس پر بادشاہ نے کہا کہ اب میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اس بزرگ نے جواب دیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ہاتھ سے نہ روک سکو تو زبان سے روک دو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے ہی بُرا منا لو اس وقت مجھے اس تیسرے حکم پر ہی عمل کی طاقت ہے سو میں کر رہا ہوں۔

تو اسلام نے غیرت کے مفہوم کا اظہار انکار، استکراہ، کراہت یا اِباء کے الفاظ میں کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی مواقع بھی بتا دیئے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قرآن و حدیث میں غیرت کے مفہوم کے ادا کرنے کے لئے جو الفاظ رکھے گئے ہیں ان کو سننے کے بعد آپ لوگ سمجھ گئے ہوں گے کہ جس مفہوم کو اردو میں لفظ غیرت ادا کرتا ہے اس کے متعلق یہ شرط ہے کہ وہ فعل جس کے لئے غیرت پیدا ہو برا ہونا چاہئے کیونکہ مومن کا دل اچھی چیز کا انکار نہیں کیا کرتا۔ نیز اس سے

ثابت ہے کہ غیرت چار صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں ظاہر ہونی چاہئے۔ اگر جائز ہو اور طاقت ہو تو ہاتھوں سے اس فعل کو مٹا دیا جائے لیکن اگر طاقت نہ ہو یا مقابلہ کی اجازت نہ ہو تو زبان سے اردگرد کے لوگوں کو صداقت سے آگاہ کر دیا جائے اور اگر ایسا کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو اس مجلس سے اٹھ کر چلے جانا چاہئے جس میں شعائر اللہ کی ہتک ہو رہی ہو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو کم سے کم نیکی یہ ہے کہ دل میں ہی نفرت کا اظہار کیا جائے۔ یہ چار مواقع ہیں جو اسلام نے غیرت دکھانے کے لئے بیان کئے ہیں

اب اس تفصیل کے بعد صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ قادیان کے لوگوں پر اس وجہ سے جو پشاور کے دوست نے بیان کی ہے بے غیرتی کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ یعنی اس وجہ سے کہ انہوں نے قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا ان کو بے غیرت نہیں کہا جا سکتا کیونکہ میں نے بے غیرتی کی جو تفصیل بیان کی ہے اس میں بتا چکا ہوں کہ اسلامی اصول کے ماتحت جس چیز کو مٹانے کی طاقت ہو یا اس کا مٹانا جائز ہو اسے بیشک مٹا دینا چاہئے لیکن اگر طاقت نہ ہو یا جائز نہ ہو تو اس کے لئے دوسرا حکم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا قانون کو ہاتھ میں لینا جائز ہے اور کیا اسلام اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے کہ قانون کو اگر اپنی مرضی کے خلاف پاؤ تو اسے توڑ دو۔ اگر تو یہی تعلیم ہے تو بے شک قادیان کے لوگوں پر بے غیرتی کا الزام لگایا جا سکتا ہے لیکن اگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ قانون کو ہاتھ میں نہ لو۔ تو پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم پر عمل کرنے کو بے غیرتی کہنا درست نہیں اور جس نے اس تعلیم کو درست سمجھتے ہوئے اس پر عمل کیا۔ اسے بے غیرت قرار دینا بڑا ظلم ہے۔ میں مانتا ہوں کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو سمجھتے ہیں کہ ایسے موقع پر قانون کو توڑ دینا جائز ہے۔ ایسے لوگ شریعت اور احمدیت کی رو سے غلط عقیدہ رکھنے والے ہیں لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے عقیدہ کی رو سے بے غیرت ہیں۔ غرض چونکہ شریعت نے حکم دیا ہے کہ قانون کو ہاتھ میں مت لو اور ہاتھ مت اٹھاؤ۔ جو اس پر عمل کرتا ہے وہ بے غیرت نہیں کہلا سکتا لیکن جو ہاتھ اٹھانے کو جائز سمجھتا ہے اور نہیں اٹھاتا، وہ اپنے عقیدہ کی رو سے بے شک بے غیرت ہے لیکن شریعت کی رو سے پھر بھی بے غیرت نہیں۔ کیونکہ شریعت

نے اس موقع پر ہاتھ سے مقابلہ کرنے کا حکم ہی نہیں دیا۔ اگر شریعت پر عمل کرنے کا نام بے غیرتی رکھا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول نے بے غیرتی سکھائی ہے۔ پس اگر قانون کی پابندی کی وجہ سے قادیان کے احمدیوں کو بے غیرت کہا جائے تو یہ صرف قادیان کے احمدیوں پر نہیں بلکہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پر بھی الزام ہوگا کیونکہ بے غیرتی کی تعلیم دینے والا بھی بے غیرت ہی ہوتا ہے۔

پس جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لینا چاہئے وہ چاہے قادیان میں ہو یا پشاور میں اگر ہاتھ نہیں اٹھاتا تو وہ اپنے عقیدہ کی رو سے بے غیرت ہے کیونکہ غیرت کا حکم صرف قادیان والوں کے لئے ہی تو نہیں، یہ تو سب کے لئے ہے۔ خواہ کوئی پشاور کا ہو یا راولپنڈی کا، لاہور کا ہو یا کراچی کا، کلکتہ کا ہو یا بمبئی کا، خواہ کوئی انگلینڈ کا ہو یا امریکہ کا، چین کا ہو یا جاپان کا، سماٹرا کا ہو یا جاوا کا۔ پس جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ شریعت کا یہی حکم ہے کہ ایسے موقع پر قانون کو ہاتھ میں لو اور بدی کرنے والے کو مٹا دو تو جس نے بدی کو نہیں مٹایا وہ بے غیرت ہے خواہ وہ کہیں رہتا ہو لیکن اگر شریعت یہ کہتی ہے کہ مت مٹاؤ اور قانون کو ہاتھ میں مت لو۔ جیسا کہ میرا عقیدہ ہے اور جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے اور جیسا کہ قرآن کریم اور احادیث اور کلام مسیح موعودؑ سے ثابت ہے تو جس نے اس پر عمل کیا وہ باغیرت ہے۔ کیونکہ اصل غیرت یہی ہے کہ انسان خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرے۔ خواہ اپنے نفس کے جوشوں کو کتنا ہی مارنا کیوں نہ پڑے۔

میں نہیں سمجھ سکتا پشاور کے اس دوست کو یہ کیونکر معلوم ہو گیا کہ قادیان میں ایسے دوستوں کی تعداد اسّی فیصدی ہے کہ جن کا خیال ہے کہ بدی کو ہاتھ سے مٹانا چاہئے اور جہاں تک میرا علم ہے اور میرا اس کے متعلق سب سے زیادہ علم ہے ایسے لوگ دس فیصدی بھی نہیں ہیں۔ ہم ایسے لوگوں کو جانتے ہیں اور اُن کو بھی جانتے ہیں جو بظاہر ہم سے ملے ہوئے ہیں مگر اصل میں ہمارے دشمنوں سے ان کو ہمدردی ہے۔ جن دنوں ہائی کورٹ کے فیصلہ میں بعض ایسے ریمارک ہوئے جن کی بناء پر ان کا غلط مفہوم لے کر مخالفوں کو اعتراض کا موقع مل گیا تو ایک دوست نے مجھے لکھا کہ میں فلاں شخص کے ساتھ مل کر امتحان کی تیاری کیا کرتا تھا۔ وہ کہنے لگا کہ

حضرت خلیفۃ المسیح کو (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) ضرور سزا ہونی چاہئے۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ لوگوں کو جوش تو دلاتے رہتے ہیں۔ وہ شخص انجمن کا ملازم ہے، قادیان میں رہتا ہے اور بظاہر ہمارے ساتھ ہے مگر دل اس کا آتشِ کینہ سے پگھل رہا تھا اور چاہتا تھا کہ کسی طرح ان کو سزا ہو تو میرا دل ٹھنڈا ہو۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ خدا تعالیٰ نے اس کی خواہش کو پورا نہ ہونے دیا۔

پس ایسے لوگ بھی جماعت میں ہیں جن کو ہماری ہر کامیابی تیر کی طرح لگتی ہے لیکن جب کوئی ابتلاء کا موقع آتا ہے تو وہ آنکھیں کھول کھول کر دیکھتے ہیں کہ کہیں سے روشنی نظر آتی ہے یا نہیں، یعنی جماعت تباہ ہوتی ہے کہ نہیں، مگر یہ کہنا کہ ایسے لوگ اسّی فیصدی ہیں بالکل غلط ہے۔ میرے علم میں ایسے لوگ دو درجن سے زیادہ نہیں ہوں گے جو مخرجین سے چھُپ چھُپ کر ملتے ہیں اور گلیوں میں ان کو سلام کہتے ہیں بلکہ اپنا راستہ چھوڑ کر ان سے ملنے کے لئے دوسری گلیوں میں پہنچتے ہیں۔ ہمیں ان کا بھی علم ہے جو انہیں بٹالہ، امرتسر یا لاہور میں ملتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ ہم ان کو بھی جانتے ہیں جو ان کو غیرت دلاتے اور کہتے ہیں کہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ ہمیں تو تم لوگوں سے بہت امیدیں تھیں گو مجھے اس بے شرمی کی کبھی سمجھ نہیں آئی کہ وہ کس منہ سے ان کو یہ کہتے ہیں کہ تم نے کچھ نہ کیا۔ جن لوگوں سے یہ ایسی باتیں کرتے ہیں وہ بھی کہتے ہوں گے کہ یہ شخص کیسا بے حیا ہے۔ خود تو ان کے ساتھ بیٹھ کر روٹیاں توڑ رہا ہے اور ہمیں کہتا ہے کہ کچھ بھی نہیں کیا۔ گویا خود بڑا تیس مار خان ہے۔ یاد رکھو کہ ہمارے حکم کے خلاف ان سے ملنا ہمارے ساتھ غداری ہے۔ بظاہر ہمارے ساتھ مگر دل سے ان کے ساتھ رہنا خدا تعالیٰ سے غداری ہے اور ان لوگوں سے جو کم سے کم منہ سے تو ہمارا مقابلہ کرتے ہیں کہنا کہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا، ان لوگوں کے ساتھ بھی غداری ہے۔ گویا ایسے لوگ انسانوں کے بھی، خدا تعالیٰ کے بھی اور احمدیت کی مخالف طاقتوں کے بھی غدار ہیں۔ یہ تینوں طرف سے لعنت کا مارا ہوا جسے جنت تو الگ دوزخ بھی حقارت سے دیکھتی ہے، ہمارے مخالفوں سے مل کر کہتا ہے۔ کہ تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ گویا یہ خود ابھی رستم کو شکست دے کر آیا ہے۔

یہاں میں ایک اور غلطی کا ازالہ بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ بعض لوگوں نے میری طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ میں نے کہا ہے کہ قادیان میں پانسو منافق ہیں حقیقت یہ ہے کہ میں نے

کبھی ایسا نہیں کہا۔ جہاں تک میرا علم ہے میری طرف یہ بات منسوب کرنا جھوٹ ہے۔ یا پھر ممکن ہے کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو۔ بعض اوقات ایسا فقرہ بولا جاتا ہے کہ اگر پانسو منافقین بھی قادیان میں ہوں تو کیا ڈر ہے اور ممکن ہے کسی کو کسی ایسے فقرہ سے غلط فہمی ہوگئی ہو۔ پس اگر یہ غلط فہمی نہیں تو مجھ پر افتراء اور بُہتان ہے۔ میرے علم میں ایسے لوگوں کی تعداد دو دَرجن سے زیادہ نہیں بلکہ اس سے کم ہی ہوگی۔

دوسرا حصہ اس سوال کا یہ ہے کہ قادیان میں اسّی فیصدی احمدی ایسے ہیں کہ جو اپنے ماں باپ کے متعلق گالی نہ سن سکیں گے اور گالی دینے والے سے جھٹ لڑ پڑیں گے پھر وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خاندان کے متعلق گالیاں سن کر خاموش کیوں رہتے ہیں۔ اس کے متعلق میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میرے علم سے یہ بات باہر ہے کہ اسّی فیصدی لوگ ایسے ہیں میں یہ جانتا ہوں کہ ایسے احمدی بے شک ہیں۔ جو منہ سے تو صبر صبر کی تلقین کرتے رہتے ہیں مگر جب ان کو یا ان کے ماں باپ کو یا ان کی بیوی یا ان کی بیٹی کو کوئی بات کہی جائے تو ان کو طیش آجاتا ہے۔ ایسی روایتیں تو میرے علم میں سات آٹھ ہی ہیں مگر عام انسانی کمزوری اور پھر انسانی نفس کے جوش کو مدنظر رکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ایسے لوگ اور بھی ہونگے لیکن اس دوست کا پشاور میں بیٹھے ہوئے اسّی فیصدی پر الزام لگانا درست نہیں۔ میں اس امر کی تو تصدیق کرتا ہوں کہ ایسے لوگ ہیں اور جتنے میرے علم میں ہیں ان سے بھی زیادہ ہونگے لیکن اس بات کو ماننے کے لئے میرا نفس تیار نہیں کہ اسّی فیصدی ایسے ہیں۔ لیکن اگر زیادہ بھی ہوں تو چونکہ ہمیں علم نہیں اور قرآن کریم کا حکم ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔[۷] یعنی جس بات کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑو۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ ایسی بات کہیں۔

میں اس بات سے بھی متفق نہیں ہوں کہ جو لوگ ایسے ہوں ان کے متعلق بھی یہ کہا جا سکتا ہو کہ وہ لوگ بے غیرت ہیں۔ ہم صرف اس قدر کہنے کے حقدار ہوں گے کہ ان میں ایک گناہ پایا جاتا ہے لیکن اس کا یہ مفہوم نہیں کہ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت نہیں۔ اس حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی کہ اگر ان کے ماں باپ کو گالی دی جائے تو ان کو غصہ آتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گالی دی جائے تو نہیں آتا۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ماں باپ کو گالی ملنے پر

غصہ کا آنا محبت کا مقام ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کو گالی ملنے پر غصہ نہ آنا عدم محبت کا مقام ہے کیونکہ اگر کوئی شخص دو موقعوں میں سے ایک موقع پر کمزوری دکھاتا ہے تو ہمارا یہ حق نہیں کہ ہم اس کمزوری والے موقع کو تو اس کی اصل حالت سمجھیں اور دوسری کو بناوٹ کہیں کیونکہ ہوسکتا ہے کہ بات اس کے الٹ ہو۔ کوئی شخص کبھی جھوٹ بولتا ہے اور کبھی سچ۔ تو ہمارا یہ حق نہیں کہ اس کے جھوٹ کو اس کی اصلی حالت قرار دیں۔ اور سچ کو بناوٹ کہیں کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس کی اصلی حالت سچ بولنے کی ہی ہو اور جھوٹ وہ کبھی گھبراہٹ میں بول دیتا ہو اور جب یہ دونوں صورتیں ممکن ہیں تو ہمارا حق کیا ہے کہ اس کی گناہ والی حالت کو اصل قرار دیں۔ زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پتہ نہیں اس کی اصل حالت کیا ہے۔ مزید دلائل ملیں تو پتہ لگے لیکن یہ حق ہمارا نہیں کہ اس کی کمزوری والی حالت کو درست سمجھیں اور اس سے مطالبہ کریں کہ فلاں موقع پر جو کمزوری تم نے دکھائی تھی۔ وہی اب دکھاؤ۔

ایک موقع پر ایک شخص چوری کرتا ہے اور دوسرے موقع پر نہیں کرتا تو کیا ہمارا حق یہ ہے کہ اسے کہیں دوسرے موقع پر بھی چوری کرو۔ یا یہ حق ہے کہ ہم اسے یہ کہیں کسی موقع پر بھی چوری نہ کرو۔ ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اگر ایک شخص دو فعل کرتا ہے جن میں سے ایک شریعت کے خلاف ہے اور دوسرا مطابق۔ تو ہم پر یہی واجب ہے کہ ہم اس سے یہ مطالبہ کریں کہ وہ ہر موقع پر ہی شریعت کے مطابق کام کیا کرے۔ سو ہماری نصیحت ایسے لوگوں کے لئے یہ ہوگی کہ اپنے اور اپنے رشتہ داروں کے متعلق گالیاں سن کر بھی صبر کرو جس طرح تم ان سے زیادہ محبوب حضرت مسیح موعود الصلوٰۃ والسلام کو گالیاں سن کر کرتے ہو۔ اور ہم ان سے یہ نہیں کہیں گے کہ جس طرح ماں باپ کو گالی سن کر تمہیں غصہ آجاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سُن کر بھی اسی طرح کیا کرو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق گالی سن کر اس کا صبر کرنا نیکی ہے اور ماں باپ کے متعلق گالی سن کر لڑ پڑنا گناہ ہے اور ہمارا اس سے یہ مطالبہ کسی طرح جائز نہیں کہ دونوں موقعوں پر گناہ کرو بلکہ ہم یہی کہیں گے کہ دوسرے موقع پر صبر کرو ہم یہ نہیں کہیں گے کہ ماں باپ کے لئے تم کو غصہ آیا تھا۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ والسلام کے لئے کیوں نہیں آتا بلکہ اس کی غیرت کو

اس طرح بھڑکائیں گے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ والسلام کے متعلق گالی سن کر تم نے صبر کیا تھا اپنے ماں باپ کے متعلق گالی سن کر بھی ویسا ہی صبر کرو۔ لیکن جو ہماری اس نصیحت کو نہ مانیں انہیں بھی ہم بے غیرت نہیں کہیں گے۔ کیونکہ گو ممکن ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق گالی سن کر بعض لوگ بے غیرتی کی وجہ سے ہی چُپ رہتے ہوں۔

مگر بعض کے لئے اور وجوہ بھی ہوسکتی ہیں اور ہمیں ان کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ جب نیک اور بد دونوں وجوہ ہوسکتی ہیں تو ہم کیوں نہ نیک وجہ لیں۔ یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں بہت سے کام عادتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک شخص کے سامنے دونوں مواقع آتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی گالی دی جاتی ہے اور اس کے باپ کو بھی۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق گالی سنتا اور صبر کرتا ہے لیکن جب اس کے باپ کو گالی دی جاتی ہے تو وہ لڑ پڑتا ہے اور صبر نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمیشہ یہی تعلیم دیتے رہے ہیں کہ گالیوں کو سن کر صبر کرو اور چُپ رہو۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب ایک شخص کے سامنے آپ کو گالی دی جاتی ہے تو اسے فوراً آپ کی یہ تعلیم یاد آجاتی ہے اور وہ خاموش ہو جاتا ہے لیکن اس کے باپ نے کبھی اسے ایسی نصیحت نہیں کی اس لئے جب باپ کو گالی ملتی ہے تو چونکہ صبر کے متعلق اس کی کوئی تعلیم بیٹے کو یاد نہیں آتی وہ لڑ پڑتا ہے۔ پس ہم بجائے یہ نتیجہ نکالنے کے کہ اس نے بے غیرتی دکھائی یہ کیوں نہ نکالیں۔ کہ یہ بے غیرتی سے نہیں بلکہ اس کے باپ کی طرف سے تربیت میں کمی کی وجہ سے ہے۔ تعلیم کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا حق ادا کر دیا کہ گالیاں سنو اور صبر کرو، چُپ رہو اور جب ایسا موقع آیا، یہ تعلیم اسے یاد آگئی۔ فوراً اس کے لئے روشنی پیدا ہوئی اور اندھیرا جاتا رہا۔ باپ نے اسے ایسی تعلیم نہ دی تھی۔ اسی لئے اندھیرا ہی رہا اور اندھیرے میں ہی وہ لڑ پڑا۔

مَیں نے گزشتہ خطبہ میں اس امر پر زور دیا تھا کہ جذباتی فیصلے بسیط اور مرکّب ہوتے ہیں۔ آج میں بتاتا ہوں کہ اسی طرح نیکیاں اور بدیاں بھی بسیط اور مرکب ہوتی ہیں۔ محض کسی نام کو لے کر ہم فتوے نہیں لگا سکتے کہ ان کے ماتحت کیفیت بھی ایک ہی ہے کیونکہ ایک نام کے

ماتحت بھی کیفیتیں بدلتی رہتی ہیں مثلاً چوری ہے۔ چوری کا لفظ ہر چوری کی نسبت بولا جائے گا مگر اس لفظ کا اطلاق اتنے کاموں کے لئے کیا جاتا ہے کہ بعض بعض سے بہت ہی مختلف ہوتے ہیں ۔چونکہ چوری کا ہمارے ملک میں عام رواج ہے۔ میں اسی کی وضاحت کر دیتا ہوں کیونکہ دوستوں کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ہمارے زیادہ تر دوست زمیندار ہیں اور انہی ہی کے ذہن نشین کرانے کی زیادہ ضرورت ہے۔ وہ اس مثال سے میرے مطلب کو اچھی طرح سمجھ سکیں گے۔ بوجہ اس کے کہ ان کے اردگرد کثرت سے یہ فعل کیا جاتا ہے۔ چوری کے معنی یہ ہیں کہ کسی کی نظر بچا کر اس کی چیز کو لے لینا مگر اس کی آگے کئی اقسام ہیں۔ جانورں کی چوری، روپیہ کی چوری، کھیتی کی چوری، جوتیوں کی چوری، رومالوں وغیرہ کی چوری۔ مگر رومالوں اور جُوتیوں وغیرہ کی چوری تو تعلیم یافتہ لوگوں کی چوری ہے۔ زمیندار تو شاید اسے سمجھ بھی نہ سکیں۔ لیکن پہلی تین قسموں کی چوریوں کو وہ خوب سمجھتے ہیں کوئی شخص روپیہ اور مال کا چور ہوتا ہے کوئی کھیتی کا، کوئی جانوروں کا، پھر آگے چوری کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ اُچک کر لے جانا، بھگا کر لے جانا، باہر سے کسی کا مال اٹھا کر لے جانا، سیندھ لگانا، اب میں چوری کی جنس کے لحاظ سے تقسیم بتاتا ہوں۔ اور ہمارے دوست سمجھ جائیں گے۔ ایک ہی لفظ میں بیسیوں معنے ہوتے ہیں۔ ایک شخص جو جانوروں کی چوری کرتا ہے۔ وہ بِالعموم سیندھ لگا کر چوری نہیں کرے گا، خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ وہ اسے اپنے لئے ذلت قرار دے گا اور کہے گا کہ چوہڑوں کے ساتھ مل کر سیندھ لگانا بڑی ذلت کا کام ہے۔ اضلاع گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور گجرات میں جانوروں کی چوری بہت ہے۔ حتّٰی کہ ان اضلاع میں اس چیز کو عیب نہیں سمجھا جاتا بلکہ یہاں تک کہ کچھ عرصہ ہؤا گوجرانوالہ کے ایک ڈپٹی کمشنر نے اپنے ایک فیصلہ میں لکھا تھا۔ چوری کے الزام میں مَیں ملزم کو سزا تو دیتا ہوں۔ کیونکہ قانون کا منشاء یہی ہے۔ لیکن میں اسے چوری نہیں سمجھتا کیونکہ یہ چیز تو ان لوگوں کے لئے معمولی بات ہے اور ایک دوسرے سے انتقام لینے کا ذریعہ ہے۔ حق یہ ہے کہ اس چوری کا بعض قبائل میں تو اس قدر رواج ہے کہ لڑکے کو پگڑی نہیں باندھی جاتی جب تک وہ گائے یا بھینس چُرا کر اپنی بہن کو نہ لا دے۔ یہ بات ہمارے نانا جان صاحب مرحوم ومغفور سے کسی نے کہہ دی اور یہ ان کے دل میں میخ کی طرح گڑ گئی کہ ان اضلاع کے سب لوگ چور

ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایک دن مسجد میں فرمانے لگے کہ ضلع گجرات کے سب لوگ چور ہوتے ہیں۔ میرا طریق یہی ہے اور یہی درست ہے۔ نہ کوئی قوم ساری کی ساری بُری ہوتی ہے اور نہ اچھی۔ اس لئے میں نے ان کی تردید کی اور کہا کہ سارے تو چور نہیں ہوتے۔ ہاں میں یہ مان لیتا ہوں کہ بعض قوموں میں چوری کی عادت بہت زیادہ ہوگی مگر ان کے دل میں یہ خیال اس طرح بیٹھا ہوا تھا کہ کہنے لگے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کوئی شخص ضلع گجرات کا ہو اور پھر چور نہ ہو۔ میں نے خیال کیا کہ اس مجلس میں اس ضلع کے بھی کوئی دوست بیٹھے ہوں گے اور ان کو اس بات سے تکلیف ہوگی اس لئے زیادہ زور کے ساتھ ان کے اس خیال کی تردید کی مگر انہوں نے اور زیادہ وثوق کے ساتھ اپنی بات پر اصرار کیا۔ آخر میں نے سمجھا کہ اس بات کے ازالہ کا طریق یہی ہے کہ میں جماعت کے کسی بڑے اور معزز آدمی کا نام لوں اس کا نام سن کر یہ خاموش ہو جائیں گے اور میں نے سوچ کر حافظ روشن علی صاحب مرحوم کا نام لیا کہ وہ بھی گجرات کے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ میر صاحب مرحوم حافظ صاحب کے علم اور تقویٰ کے قائل تھے۔ میر صاحب مرحوم نے جب ان کا نام سنا تو تھوڑی دیر خاموش رہے اور میں نے سمجھا کہ میری تدبیر کارگر ہوگئی مگر وہ ذرا سی دیر خاموش رہنے کے بعد پھر بولے اور کہا کہ حافظ صاحب گجرات کے ہیں؟ میں نے کہا ہاں تو وہ فرمانے لگے تو پھر وہ بھی ضرور چور ہوں گے۔ میں نے آخر کہا کہ آپ اس امر پر اس قدر زور کیوں دے رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ اس ضلع میں یہ رسم ہے۔ کہ جب تک کوئی جانور چُرا کر اپنی بہن کو نہ دے اُس کے سر پر پگڑی نہیں رکھی جاتی۔ ان کا جواب سن کر مجھے خیال ہوا کہ حافظ صاحب کا نام سننے پر جو وہ تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہے تھے۔ تو شاید یہ یاد کرنے کے لئے خاموش ہوئے تھے کہ حافظ صاحب پگڑی باندھتے ہیں۔ یا نہیں۔ اب یہ بات جس نے میر صاحب کو بتائی کہ ہر گجرات کے آدمی کو اک دفعہ ضرور گائے یا بھینس چرانی پڑتی ہے۔ ہے تو غلط لیکن یہ مثال اس حقیقت کا ایک مبالغہ آمیز نقشہ ضرور ہے۔ جو گجرات، گوجرانوالہ، شیخوپورہ کے اضلاع کے بعض قبائل میں بدقسمتی سے پائی جاتی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان اضلاع میں یہ مرض وسیع ہے کہ جانوروں کی چوری کو کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ جو زیادہ نامی چور ہو اتنا ہی معزز سمجھا جاتا ہے۔ ایک الیکشن کے موقع پر ان اضلاع میں سے ایک ضلع میں

ایک رئیس کونسل کی امیدواری کے لئے کھڑے ہوئے۔ان کی طرف سے سب ووٹروں کو پیغام بھیج دیا گیا۔یا تو ووٹ رکھ لو اور یا بھینس دونوں میں سے ایک چیز تو ہمیں دینی پڑے گی۔مطلب یہ تھا کہ اگر مجھے ووٹ نہ دیئے گئے تو تمہاری سب بھینسیں چوری ہو جائیں گی۔زمینداروں کے نزدیک ووٹ کی کیا قیمت ہوسکتی ہے۔بھینس کی قیمت تو ان کے نزدیک بہت ہے۔خود دودھ گھی کھاتے اور بچوں کو کھلاتے ہیں۔نتیجہ یہ ہوا۔کہ وہ الیکشن میں جیت گئے۔مگر دوسرے فریق نے شکایت کر دی کہ یہ الیکشن تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔آخر وہ الیکشن ناجائز قرار پایا اور اس رئیس کو امیدوار کھڑا ہونے کے حق سے محروم کر دیا گیا۔دوبارہ الیکشن ہوا تو اس کا دوسرا بھائی کھڑا ہو گیا اور پھر یہی پیغام ووٹروں کو بھیج دیا گیا اور زمینداروں نے چُپ کر کے ووٹ دے دیئے اور پھر کسی نے شکایت بھی نہ کی کہ اگر اس کا انتخاب ناجائز ہو گیا تو تیسرا کھڑا ہو جائے گا۔مگر ان جانوروں کی چوری کروانے والوں کو اگر تم قتل بھی کر دو تو وہ سینندھ کبھی بھی نہیں لگائیں گے۔نہ ایسے فعل میں اور نہ کسی اور رنگ میں شرکت کریں گے۔اور صاف کہہ دیں گے۔ہم شریف لوگ ہیں ذلیل نہیں کہ ایسے کام کریں۔

پھر ایک چوری کھیتی کی ہے ہمارے ضلع میں دریا کے کنارے یہ بہت ہے تم بسا اوقات دیکھو گے کہ ایک راہ گیر اپنے گھوڑے سے اتر کر اسے پاس کے کھیت میں چھوڑ دیتا ہے اور خود نماز میں مشغول ہو جاتا ہے۔اس کے خیال میں اس سے اس کی عبادت میں کوئی نقص نہیں آتا۔گویا حِسّ ہی باقی نہیں رہی کہ یہ بھی چوری ہے۔پھر تعلیم یافتہ لوگوں میں ایک چوری ریل کے کرایہ کی ہوتی ہے۔ریل میں مفت سفر کریں گے۔یا تھرڈ کلاس کا ٹکٹ لے کر انٹر یا سیکنڈ میں بیٹھ جائیں گے اور وہ اسے چوری نہیں۔بلکہ اپنی زیرکی اور ہوشیاری سمجھتے ہیں۔

مجھے یاد ہے میں چھوٹا ہی تھا اور نانا جان مرحوم کے ساتھ سفر کر رہا تھا نانا جان مرحوم بات کرنا خوب جانتے تھے۔مجھے تو اب تک یہ نہیں آتا۔میں خود بات نہیں کر سکتا کوئی کرے تو کر سکتا ہوں مگر نانا جان مرحوم کو اس کا خوب ملکہ تھا۔وہ بات کہیں سے شروع کر کے کہیں لے آتے اور پھر تبلیغ کر دیتے تھے۔تو اس سفر میں میر صاحب نے دنیا کی عام اخلاقی حالت کا تذکرہ شروع کر دیا۔کہ ایسی ایسی بدیاں دنیا میں پیدا ہونا شروع ہو گئی ہیں اور کہ ان کا تقاضا ہے

کہ کوئی مأمور مبعوث ہو۔ اس مجلس میں ایک بڈھا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ میر صاحب کی بات سن کر وہ کہنے لگا۔ کہ جی دنیا کی خرابی کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے۔ میں جانتا ہوں کہ دنیا میں کیا کیا خرابیاں ہیں اور بدیاں پیدا ہو چکی ہیں۔ آپ تقویٰ کو رو رہے ہیں حالانکہ دنیا میں انسانیت کا بھی نام باقی نہیں رہا۔ میں جیل کا داروغہ ہوں، میرا ملزموں سے واسطہ رہتا ہے اور میں ان برائیوں سے خوب واقف ہوں۔ غرض کہ وہ مجلس پر ایسا چھا گیا کہ میر صاحب کو بات کا موقع تک نہ مل سکا۔ اس کی گفتگو سن کر یہ عام اثر تھا کہ وہ بہت اچھا پڑھا لکھا آدمی ہے اور اخلاق کا ماہر، اتنے میں ایک سٹیشن آیا جہاں ٹکٹ چیک ہوتے تھے چنانچہ ہمارے کمرہ میں بھی جو انٹر کلاس تھا ایک ٹکٹ چیک کرنے والا آ گیا۔ اس نے ٹکٹ دیکھنے شروع کئے تو معلوم ہؤا کہ ان صاحب کا ٹکٹ تھرڈ کلاس کا تھا۔ بابو نے کہا کہ یہ ٹکٹ تو تھرڈ کا ہے اب یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص جلدی میں یا تھرڈ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ سمجھ کر بیٹھ جائے کہ آگے چل کر زائد کرایہ دے دوں گا لیکن اس سے جب بابو نے سوال کیا تو بجائے اِس کے کہ وہ اس قسم کا جواب دیتا اس کے چہرہ کا نقشہ ہی بالکل بدل گیا اور ایک ہوشیار جہاں دیدہ کی جگہ چہرہ پر سے حمق اور سادگی کے آثار نظر آنے لگے اور وہ نہایت ہی سادگی سے کہنے لگا کہ کیوں صاحب! یہ انٹر کیا ہوتا ہے؟ اور سب وہ لوگ جو ابھی اس کی تقریر سن رہے تھے۔ اور یوں محسوس کر رہے تھے کہ وہ گویا دنیا کی انسائیکلو پیڈیا ہے حیران رہ گئے۔ بابو نے اسے ایک بیوقوف بڈھا سمجھ کر کہا اچھا میں تم سے کوئی زائد کرایہ وصول نہیں کرتا تم اب اٹھ کر تھرڈ میں چلے جاؤ اور اس نے اسے تھرڈ کے کمرہ کا رنگ بتایا کہ اس رنگ کا کمرہ ہے۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ میں تو بوڑھا آدمی ہوں کس طرح سامان اٹھاؤں آپ یہ دو پیسے لے لیں اور وہاں میرا اسباب چھوڑ آئیں۔ گویا وہ اتنا سادہ آدمی ہے کہ اسے یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ ریلوے کا بابو ہے یا قلّی۔ اور گویا یہ پہلی دفعہ ہی سفر کرنے لگا ہے۔ تو ایسے لوگ بھی ہیں جو ریل کی چوری کو چوری نہیں سمجھتے۔ جس طرح قادیان میں ایک ایسا طبقہ ہے جو لنگر کی روٹی کی چوری کو چوری نہیں سمجھتا۔ یا جیسے میرے پاس اکثر شکائتیں پہنچا کرتی تھیں کہ مقبرہ بہشتی میں درختوں کے پھول یا پھل لوگ توڑ لیتے ہیں اور جن لوگوں نے باغ خریدا ہؤا ہوتا ہے ان سے لڑائی ہو جاتی ہے اور جب کسی کو

منع کیا جائے تو وہ یہ کہہ دیتا ہے کہ صرف برکت کے لئے یہاں کی چیز لی ہے۔ آخر میں نے انجمن والوں کو حکم دیا کہ یہاں کے پھول اور پھل آئندہ فروخت نہ کئے جائیں کیونکہ اس طرح مہمانوں کی ہتک بھی ہوتی ہے اور خواہ مخواہ لوگوں کو مصیبت میں ڈالا جاتا ہے کیونکہ لوگ برکت کی چیز خیال کر کے ہاتھ ڈال ہی دیتے ہیں۔

تو چوری بُری چیز ہے۔ مگر بعض لوگوں کے لئے بعض مواقع پر یہ سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے کہ فلاں کام بھی چوری ہے۔ ہاں ایک دوسرے فعل کو وہ فوراً چوری قرار دے دیں گے اور انہیں غصہ آجائے گا کہ یہ ایسا گندہ شخص ہے جو چوری کرتا ہے۔ اب آپ لوگ خیال کر لیں کہ چوری کی بھی کئی اقسام ہیں اور صرف چوری کے نام سے یہ سمجھنا صحیح نہیں کہ سب چوریاں ایک ہی قسم کی ہوتی ہیں۔ ٹکٹ کی چوری کرنے والا بھی چور ہے مگر وہ کسی کی بھینس یا روپیہ نہیں چُرائے گا بلکہ اسے بہت بُرا سمجھے گا۔ بعض بڑے بڑے معزز ای۔ اے۔ سی اور ڈپٹی کمشنر کے مرتبہ کے لوگ بِلا ٹکٹ سفر کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہؤا ایک ڈپٹی کمشنر کو سزا ہوئی تھی کہ وہ ہمیشہ پلیٹ فارم کی ٹکٹ لے کر ریل میں سوار ہو جاتا تھا اور جہاں پہنچنا ہوتا وہاں کسی دوست کو لکھ دیتا کہ میرے لئے ایک پلیٹ فارم ٹکٹ لیتے آنا اور وہی دکھا کر باہر چلا جاتا۔ وہ خود منہ میں جھاگ لا لا کر چوروں کو سزا دیتا ہوگا۔ کہ خبیثو اور بے حیاؤ! تمہیں شرم نہیں آتی چوری کرتے ہو مگر خود اسے احساس تک نہیں تھا۔

مختصر یہ کہ نیکیوں اور جرائم کی اقسام ہوتی ہیں۔ یہ نہیں جو ایک قسم کی چوری کرتا ہے وہ دوسری قسم کی بھی کر سکتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ وہ اسے کر نہیں سکتا بلکہ بہت بُرا سمجھتا ہے۔

پس جو شخص ایک جگہ جوش دکھاتا ہے ضروری نہیں کہ دوسری جگہ ایسا کرتا ہو اور دوسری جگہ عادت نہ ہونے کی وجہ سے دکھانا بے غیرتی کی وجہ سے ہو۔ عین ممکن ہے ایک جگہ وہ عادت کی وجہ سے اور پھر ایک جگہ غلطی دیکھ کر ہمارا یہ فرض نہیں کہ دوسری جگہ بھی غلطی کرائیں بلکہ چاہئے کہ اس جگہ بھی صحیح کرائیں۔ یہ نہیں کہنا چاہئے کہ اے بے غیرتو! اپنے ماں باپ کے لئے گالی سن کر تم جوش میں آجاتے ہو لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے لئے سن کر کیوں جوش میں نہیں آتے بلکہ ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ اے عزیزو! اپنے لئے اور اپنے رشتہ داروں کے لئے جوش دکھا کر

تم اپنی حالت کو کیوں مشتبہ کرتے ہو۔ ہمت کرو اور جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق گالی سن کر تم صبر دکھاتے ہو اسی طرح اپنے اور اپنے ماں باپ کے متعلق سن کر صبر دکھاؤ۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِتَّقُوْا مَوَاقِعَ الْفِتَنِ [8] لوگوں کو اپنے اوپر اعتراض کا موقع نہ دو۔ پس یہ صحیح نہیں کہ ایک جگہ اگر کوئی غلطی کرے تو دوسری جگہ بھی اسے غلطی کرنے کے لئے کہیں بلکہ کوشش یہ کرنی چاہئے کہ دونوں موقعوں پر غلطی سے بچنے کے لئے کہیں۔

قادیان کے ایک معزز دوست کا خیال تھا کہ ممکن ہے مصری اور اس کے ساتھی جو الزام خلیفۃ المسیح اور خاندان مسیح موعودؑ پر لگاتے ہیں یہ غلط فہمی ہے اور وہ نیک نیتی سے ایسا سمجھتے ہیں اس لئے ان پر اظہارِ ناراضگی نہیں کرنا چاہئے۔ انہیں ایام میں احتیاطاً ریل پر بٹالہ آنے اور جانے والے آدمیوں کے نام لکھے جاتے تھے تا یہ معلوم ہو سکے کہ ان لوگوں سے ملنے کے لئے منافق لوگ کیا کیا تدبیریں کرتے ہیں لازماً ان ایام میں ہر شخص کا نام لکھا جاتا تھا حتّٰی کہ خود ناظروں کا نام بھی لکھا جاتا تھا انہیں کسی طرح معلوم ہوا کہ ان کا نام بھی بعض دفعہ لکھ کر فہرست میں پیش ہوا ہے انہیں اس پر بہت جوش آ گیا اور اس پہرہ دار سے لڑ پڑے کہ میں تجھے سیدھا کر دوں گا۔ جب ذمہ دار کارکنوں تک یہ رپورٹ پہنچی تو انہوں نے ان کی اس حرکت کو بہت بُرا منایا اور بعض نے اسے منافقت کا نتیجہ قرار دیا۔ جب میرے پاس یہ رپورٹ آئی تو میں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان صاحب نے اپنے آپ کو خود ایک الزام کے مقام پر کھڑا کر دیا ہے اور کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ صاحب مصری پر اظہار ناراضگی ان تمام الزامات کے باوجود جو وہ خلیفہ پر لگاتا تھا آپ کے نزدیک قابل رنج نہ تھا مگر آپ کا محض نام لکھ دینا ایک ناقابلِ معافی گناہ بن گیا ہے لیکن پھر بھی ہمیں یہ غور کرنا چاہئے کہ یہ ان کا غصہ عادت کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ان کو اپنے متعلق غصہ آنے کی عادت پڑی ہو اور ہم چونکہ یہی کہتے رہتے ہیں کہ دشمنوں کی گالیوں پر صبر سے کام لو، اس موقع پر ان کے خیالات دیانتداری سے یہی ہوں لیکن اپنے متعلق شبہ کے وقت چونکہ کوئی ایسی تعلیم سامنے نہ تھی ان کو غصہ آ گیا۔ پس چونکہ ان کے فعل کی ایک دوسری توجیہہ ہو سکتی ہے اس لئے بدظنی کرنے یا ان کو منافق سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تو ایسے واقعات کثرت سے پیش آتے رہتے ہیں اور مومن کا یہی کام ہے کہ وہ نیکی والا پہلو لے۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ میاں عزیز احمد صاحب کی پہلے کوئی مدد نہیں کی گئی جب خلیفۃ المسیح پر اعتراض ہوئے تب خیال آیا۔ سو یہ بھی غلط فہمی ہے۔ گورداسپور میں جو وکیل ان کی طرف سے پیش ہؤا وہ فوجداری میں اس علاقہ کا بہترین وکیل ہے مگر ہماری طرف سے جیسا کہ ایسے ہر موقع پر نصیحت ہوتی ہے میاں عزیز احمد کو یہی نصیحت تھی کہ سچ بولیں۔ اگر غلطی ہوئی ہے تو بہتر ہے کہ اس کی سزا اسی دنیا میں بھگت لیں۔ قاضی محمد علی صاحب مرحوم کو بھی میں نے یہی نصیحت کی تھی اور ان کو بھی یہی پیغام پہنچایا تھا کہ اگر قصور ہے تو اس کا اقرار کرلو۔ چنانچہ انہوں نے اقرار کر لیا اور اقراری ملزم کو لائق سے لائق وکیل بھی نہیں چھُڑا سکتا۔ تاہم وکیل نے دیانتداری کے ساتھ دفاع کیا اور اس کی بحث کو سن کر عدالت میں موجود لوگوں میں سے اسّی فیصدی کا یہی خیال تھا کہ پھانسی کی سزا نہیں ہوسکتی بلکہ بعض سرکاری افسروں نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا کہ معاملہ اتنا واضح ہے کہ پھانسی کی سزا نہیں ہوسکتی مگر مجسٹریٹ کا نقطہ نگاہ اور ہوتا ہے اور وکیل کا اور۔ لائق سے لائق وکیل آتے ہیں مگر مجسٹریٹ ان کی رائے سے اتفاق نہیں کرتا۔

ہائی کورٹ میں ان کی طرف سے شیخ بشیر احمد صاحب پیش ہوئے۔ وہ بھی نوجوانوں میں ترقی کرنے والے ہیں اور ایسے نوجوان طبقہ میں سے ایسے وکیل ہیں جن پر لوگوں کی نظریں ہیں کہ کبھی بہت ترقی کر جائیں گے۔ وہ بھی جب بحث ختم کر کے آئے تو تمام وکلاء نے ان کو مبارک باد دی کہ تم کیس جیت گئے ہو مگر ججوں نے اور فیصلہ کر دیا اور اس فیصلہ میں کوشش یا عدمِ کوشش کا کوئی سوال نہیں۔ فیصلہ تو آخر جج نے کرنا ہوتا ہے وکیل نے نہیں۔ پھر یہ بھی غلط ہے کہ جماعت میں جوش پیدا ہؤا تو خرچ بھی کیا گیا۔ جماعت میں جوش اس لئے پیدا ہؤا کہ فیصلہ میں بعض ریمارک نامناسب تھے۔ مجھے ذاتی طور پر پورا پورا علم تو نہیں مگر جہاں تک میرا خیال ہے ہائی کورٹ کے فیصلہ پر اپیل کے لئے جو وکیل ہماری طرف سے کیا گیا تھا ان کے خرچ سے گورداسپور کے وکیل کا خرچ غالباً کم نہ تھا۔

پھر جیسا کہ میں بتا آیا ہوں۔ جذبات کا فیصلہ صرف فعل سے نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ جس پر حملہ ہؤا ہے اُس کی اہمیت کیا ہے۔ ایک حملہ ایک عام احمدی پر ہو اور ایک خلیفۂ وقت پر ہو اور پھر یہ خیال کیا جائے کہ دونوں کے متعلق ایک سے جذبات جماعت میں پیدا ہوں یہ

حماقت کی بات ہے۔ ماں باپ پر حملہ کے وقت انسان کے اندر اور قسم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور محلّہ کے کسی آدمی پر حملہ کی صورت میں اَور قسم کے۔ پھر الزام کی حقیقت بھی دیکھی جاتی ہے۔ عزیز احمد صاحب پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے ایک شخص پر حملہ کیا اور وہ اس کو تسلیم کرتے تھے لیکن جو الزام مجھ پر سمجھا گیا تھا اسے نہ میں تسلیم کرتا ہوں اور نہ جماعت۔ چنانچہ ہائی کورٹ کے پہلے فیصلہ کے وقت یہ خیال کیا گیا تھا کہ ہائی کورٹ نے یہ کہا ہے کہ میں نے قتل کی تحریک کی۔ نہ میں اسے تسلیم کرتا تھا کہ میں نے ایسی تحریک کی تھی اور نہ جماعت اس کو صحیح سمجھتی تھی۔ پس جہاں الزام غلط سمجھا جائے وہاں یقیناً زیادہ جوش پیدا ہوتا ہے۔ میں نے کہا ہے کہ جو الزام مجھ پر سمجھا گیا تھا۔ یہ الفاظ میں نے اس لئے استعمال کئے ہیں کہ ہائی کورٹ نے بعد میں فیصلہ کیا کہ جو معنے ججوں کے فیصلہ کے کئے گئے، وہ غلط تھے اور وہ ان کے خیال میں بھی کبھی نہ تھے۔

میرے کان میں مصری پارٹی کی یہ آواز بھی پہنچی ہے کہ ہم پر ناراضگی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ ہم ہائی کورٹ کی فیصلہ کے یہ معنی کیوں کرتے ہیں کہ امام جماعت احمدیہ نے اپنے خطبوں میں قتل کی تحریک کی یا انگیخت کی۔ حالانکہ خود ہی اس پر پہلے شور کیا تھا اور اشتہار شائع کیا تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہائی کورٹ کے فیصلہ سے قبل لوگوں نے وہ معنے سمجھے تھے اور اس وجہ سے ہمیں تکلیف ہوئی اور ہم نے ان معنوں کو مدنظر رکھ کر اظہارِ رنج کیا اور اس وقت تک ہم کسی پر ان معنوں کی وجہ سے بددیانتی کا الزام نہیں لگاتے تھے لیکن ہائی کورٹ کے دوسرے فیصلہ کے بعد بھی جو وہ معنے لیتا ہے ہم مجبور ہیں کہ اسے بددیانت کہیں۔ پہلے مصری پارٹی اور احراری دونوں غلط معنے کرتے تھے مگر ہم نے کسی کو بددیانت نہیں کہا حالانکہ حقیقتاً ججوں کے نزدیک وہ بات نہ تھی جو یہ لوگ پیش کرتے تھے حتّٰی کہ ایک جج نے دوسرے مقدمہ کی سماعت کے دوران میں کہا کہ جب ہمارا یہ مطلب ہی نہیں تو اگر کوئی بے وقوف یہ معنے لیتا ہے تو ہمیں کیا لیکن پھر انہوں نے فیصلہ بھی لکھ دیا کہ ان کا یہ مطلب نہیں تھا۔ اور اگر اب کوئی پہلے فیصلے کے وہ معنے کرتا ہے جو دوسرے فیصلے سے قبل کئے جاتے تھے تو وہ یقیناً بددیانتی کرتا ہے اور یہ ایسی ہی بات ہے جیسے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر زندہ ماننا شرک ہے بھی لیکن پہلے براہین احمدیہ میں خود یہ عقیدہ بیان کر چکے ہیں۔ اب اگر

کوئی شخص کہے کہ پھر آپ بھی شرک کے مرتکب ہوئے ہیں تو ہمارا یہی جواب ہوگا کہ ہرگز نہیں۔ آپ نے اُس وقت یہ خیال ظاہر کیا تھا جب قرآن کریم اور الہامِ الٰہی سے وضاحت نہیں ہوئی تھی۔ شرک کے مرتکب وہ ہیں جو اس وضاحت کے بعد ایسا کرتے ہیں۔

غرض جس طرح براہین احمدیہ میں حیاتِ مسیح کا عقیدہ لکھنے کی وجہ سے نہ غیر احمدی بَری ہوتے ہیں نہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض پڑتا ہے۔

اسی طرح پہلے فیصلہ کے وقت میں ہمارا رنج کرنا دوسرے فیصلہ کے بعد بھی الزام لگانے والوں کو نہ بَری کرتا ہے اور نہ اس سے ہم پر کوئی الزام آتا ہے۔

بعض لوگ ہمارے مخالفوں میں سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ لوگ یونہی جھوٹی خوشی کر رہے ہیں۔ ہائی کورٹ نے تو ان کی اپیل مسترد کر دی ہے اس لئے ہم جو کہتے ہیں وہی درست ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ درست ہے تو اس فیصلہ کو جو فخر الدین صاحب کے لڑکے نے شائع کیا حکومت نے ضبط کیوں کر لیا حالانکہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کو کوئی ضبط نہیں کر سکتا۔ یہ حق حکومت کو اسی وجہ سے حاصل ہؤا کہ اسے غلط معنوں میں پیش کیا جاتا تھا پس ضبطی نے بتا دیا کہ جو معنے اس کے پہلے سمجھے گئے تھے وہ صحیح نہ تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو حکومت اسے ہرگز ضبط نہ کر سکتی تھی کیونکہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کو اسی صوبہ کی حکومت ضبط نہیں کر سکتی لیکن اب تو باقی حکومتیں بھی اسے ضبط کر رہی ہیں۔ چنانچہ کشمیر گورنمنٹ نے بھی اسے ضبط کر لیا ہے۔ اس پر ایک مسلمان اخبار نے لطیفہ کے رنگ میں لکھا ہے کہ حکومت کشمیر اتنی پاگل ہے کہ اسے اتنا بھی علم نہیں کہ وہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کو ضبط نہیں کر سکتی۔ اس اخبار کو علم نہیں کہ کشمیر گورنمنٹ پنجاب ہائی کورٹ کے ماتحت نہیں۔ وہ تو اگر چاہے تو اپنے علاقہ میں اصل فیصلہ کو بھی ضبط کر سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کتاب ضبط کی گئی ہے وہ ہائی کورٹ کا فیصلہ نہیں۔ بلکہ وہ کتاب ہے جس کا نام ہائی کورٹ کا فیصلہ رکھ کر اس کے اندر ہائی کورٹ کے فیصلہ کی غلط تشریح کر دی گئی ہے۔

غرض جب تک دوسرا فیصلہ نہیں ہؤا اُس وقت تک ہم خود غلط فہمی میں تھے مگر دوسرے فیصلے نے حقیقت کھول دی اور اب جو بھی یہ کہتا ہے کہ ہائی کورٹ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ امام جماعت احمدیہ نے میاں فخر الدین کے قتل کی انگیخت کی تھی وہ جھوٹ بولتا ہے اور اگر وہ دیانتدار ہے تو

اسے چاہئے کہ لوگوں میں بیٹھ کر ایسے خیالات کا اظہار کرنے کی بجائے انہیں شائع کرے پھر اسے بھی اور دنیا کو بھی معلوم ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے۔'' (الفضل ۹ ؍جولائی ۱۹۳۸ء)

۱؎ مسلم کتاب التوبة باب غَیْرَةُ اللّٰہ تعالیٰ (الخ)

۲؎ مسند احمد بن حنبل جلد۴ صفحہ ۲۷، ۲۸۔ المکتب الاسلامی بیروت

۳؎ التوبة:۳۲ ۴؎ النحل:۹۱

۵؎ مسلم کتاب الایمان باب بیان کون النّھی عن المنکر من الایمان (الخ)

۶؎ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ (النسآء:۱۴۱)

۷؎ بنی اسرائیل:۳۷

۸؎ موضوعات مُلّا علی قاری صفحہ ۱۶ مطبوعہ دھلی ۱۳۴۶ھ میں یہ الفاظ ہیں اِتَّقُوْا مَوَاقِعَ التُّھَمِ